منفرد قولِ صحابی کا محاکمہ: اصولِ فقہ کے تناظر میں

*عرفان خالد ڈھلوں

Abstract

It is natural that all people do not enjoy equal status. Some possess higher rank and their opinions are considered valuable. Sahaba karam, the companions of the Holy Prophet (PBUH), are bestowed with significant position in Islamic Law. As a generation, Sahaba karam have exclusive position and no other generation of people of any time can contest them. They embraced Islam by preaching of the Holy Prophet (PBUH). They are witnessed of the revealed Shariah. They learned Deen direct from the Holy Prophet (PBUH). They narrated and transferred it to the next generation. They were quite aware of Shariah objectives and its temperament.

Sahaba played a dynamic role in the construction and development of Islamic Law. They interpreted legal texts of Shariah. There are many kinds of juristic opinions of sahaba. The focus of this article is to discuss only one kind of these opinions. Sometimes a Sahabi possesses his personal juristic opinion regarding an issue which is not settled by Islamic Shariah. But he is alone in his opinion. This article deals with the solitary juristic opinion of a Sahabi. Authenticity of a solitary opinion of a sahabi has been discussed and analyzed critically in the light of Islamic Jurisprudence in this article.

Keywords: Sahabi, Muttafaq A'leh Qaol-e-Sahabi, Mukhtalif Fih Qaol-e-Sahabi, Munfarid Qaol-e-Sahabi, Mukhalif-e-Qiyas Qaol-e-Sahabi, Qaol-e-Qadeem, Qaol-e-Jadeed

انسانی معاشرے میں تمام افراد کا مقام و مرتبہ یکساں نہیں ہوتا۔ جس کا جو مقام و مرتبہ ہو اس کی ذاتی رائے کو اسی زاویہ سے دیکھا جاتا اور اسے اہمیت دی جاتی ہے۔ جو فرد جتنا زیادہ اہم ہوتا ہے اس کی رائے بھی اتنا ہی

*ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور

زیادہ وزن اوراہمیت رکھتی ہے۔رسول اللہﷺ کی صحبت حاصل ہونا ایک عظیم شرف ومنزلت ہے۔اس اعتبار سے صحابہ کرامؓ دین اسلام میں ایک خاص مقام ومرتبہ رکھتے ہیں اوراسی وجہ سے ان کی آراءکوبھی مقام ومنزلت حاصل ہے۔

اصولیین اور محدثین نے صحابی کی فنی تعریفیں کی ہیں۔ان سب پر بحث کرنا یہ مختصرمضمون متحمل نہیں ہو سکتا۔البتہ صحابی کی یہ تعریف راجح معلوم ہوتی ہے:''جس نے حالتِ ایمان میں رسول اللہﷺ سے ملاقات کی اور جواسلام پرفوت ہوا۔''

صحابہ کرامؓ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے صاحبِ شریعت پیغمبرﷺ کی دعوت پرسب سے پہلے لبیک کہا۔وحیِ الٰہی کی تصدیق اورقبولِ اسلام میں سبقت کی۔صحابہ کرامؓ اس اعزاز میں منفرد ہیں کہ انہوں نے نزولِ شریعت کا زمانہ پایا۔وہ ان حالات اور واقعات کے عینی شاہد ہیں جو وجہِ نزولِ شریعت بنے۔شریعت کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس کا شانِ نزول ان سے مخفی ہو۔صحابہ کرامؓ نے صاحبِ شریعتﷺ کی سیرتِ پاک کا نہایت قریب سے مشاہدہ کیا۔انہوں نے شرعی نصوص کی عملی تطبیق حیاتِ نبوی میں دیکھی اور پھران تمام مشاہدات کا اپنی زندگیوں میں التزام کیا۔صحابہ کرامؓ شریعتِ اسلامی کے اوّلین مزاج شناس تھے۔وہ شارع اورشریعت کی غرض ومنشا سے سب سے زیادہ آگاہ تھے۔صحابہ کرامؓ دین کے سچے راویٔ اوّل ہیں۔وہ اس سلسلے کی پہلی کڑی ہیں جس سے احکامِ دین ہم تک پہنچے ہیں۔

دین کے سچے راویٔ اوّل ہونے کی حیثیت سے صحابہ کرامؓ کے اقوال وآثار کی متعدد اقسام ہیں۔اس مختصر مضمون میں ان تمام اقسام کا اصولی وفقہی محاکمہ ممکن نہیں ہے۔یہاں صرف اس امر کا اختصار سے جائزہ لیا جارہا ہے کہ ایک صحابی کی ذاتی رائے جس میں وہ منفرد وتنہا ہے،اس کی علم اصولِ فقہ میں کیا حیثیت ہے،ایک ایسا مسئلہ جس کا حکم معلوم ومتعین نہ ہواس کا شرعی حکم معلوم کرنے میں صحابی کے منفرد قول کو کس حد تک دلیل بنایا جاسکتا ہے اور علمائے اصول ایسے قول کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ایسے قول کی اصولی وفقہی حیثیت وحجیت میں اصولیین کا اختلاف ہے۔بعض اسے حجت اور مصدرِ تشریع قرار دیتے ہیں جبکہ دوسرے علمائے اصول ایسے قول کو حجت نہیں مانتے۔ذیل میں ان کی آراء و ادلّہ کا جائزہ لیا جاتا ہے:

حنفی اصولیین کی آراء:

ابوسعید بردعیؒ (م ۳۱۷ھ) کہتے ہیں کہ اگر ایسے قول کے خلاف کسی اور صحابی کا قول معلوم نہ ہوتو وہ حجت ہے اوراس کی تقلید واجب ہے۔اس قول کے مقابلہ میں قیاس ترک کردیا جائے گا(۱)۔شیخ ابومنصور ماتریدی

(م۳۳۳ھ) کا موقف ہے کہ اگر صحابی اہلِ فتوی میں سے ہے اور اس کے زمانہ میں کوئی مخالف قول نہیں ہے تو صحابی کی تقلید واجب ہے۔ اگر کسی نے صحابی کی مخالفت کی تو پھر اس کی تقلید واجب نہیں ہے۔ البتہ دلائل کے ساتھ کسی قولِ صحابی کی ترجیح واجب ہے۔(۲)

ابوالحسن کرخیؒ (م۳۴۰ھ) کے نزدیک صرف اس صورت میں قولِ صحابی واجب ہے جب قیاس سے اس کا ادراک ناممکن ہو، کیونکہ اس قول کا رسول اللہ ﷺ سے سماع یا پھر کذب کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں ہے۔ لیکن مدرک بالقیاس قول کی تقلید واجب ہے اور نہ وہ حجت ہے۔(۳)

شمس الائمہ سرخسیؒ (م۴۹۰ھ) نے لکھا ہے کہ ہمارے متقدین اور متاخرین کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جس قول میں قیاس کا دخل نہ ہو اور جس کا حکم اجتہاد اور رائے سے معلوم نہ کیا جا سکے، وہ حجت اور مانندِ نص ہے۔ ایسے قول کے مقابلہ میں قیاس ترک کر دیا جائے گا(۴)۔ فخرا لإ سلام بزدویؒ (م۴۸۲ھ) نے بھی لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ جس مسئلہ میں قیاس وعقل کا دخل نہ ہو اس میں صحابی کی تقلید کی جائے گی(۵)۔ اسی لیے احناف مقداروں کے مسئلہ میں قولِ صحابی حجت قرار دیتے ہیں۔ مثلاً حضرت علیؓ کا قول کہ مہر کی کم ازکم مقدار دس درہم ہے(۶)۔ حضرت عائشہؓ نے حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال بیان فرمائی ہے۔(۷) حضرت انسؓ نے فرمایا کہ حیض کی کم ازکم مدت تین اور زیادہ سے زیادہ دس ایام ہے۔(۸)

احناف کے نزدیک مخالفِ قیاس قولِ صحابی بھی حجت ہے۔ لہٰذا وہ حضرت عائشہؓ کے قول کے اتباع میں ایسی بیع فاسد قرار دیتے ہیں جس میں فروخت شدہ چیز کو کم قیمت پر دوبارہ خرید لیا گیا ہو۔ حالانکہ قیاس کی رو سے ایسی بیع جائز ہے۔ لیکن یہ قیاس قولِ حضرت عائشہؓ کے خلاف تھا، اس لیے وہ ترک کر دیا گیا۔(۹)

وجوبِ تقلیدِ صحابی پر امام ابوحنیفہؒ کے متعدد اقوال منقول ہیں:

''جب کتاب اللہ اور سنّتِ رسول ﷺ میں کسی مسئلہ کا حکم نہ ہو تو میں اقوالِ صحابہؓ میں دیکھتا ہوں اور ان سے باہر نکل کر دوسروں کے اقوال کی طرف نہیں جاتا۔ جب معاملہ ابراہیمؒ، شعبیؒ، ابن سیرینؒ، حسنؒ، عطاؒ اور سعید بن جبیرؒ۔ اور امام ابوحنیفہؒ نے کئی لوگوں کو گِنا۔ تک پہنچے تو انہوں نے اجتہاد کیا تھا، میں بھی اجتہاد کروں گا جیسے انہوں نے اجتہاد کیا تھا''(۱۰)۔ ''رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جو آیا، وہ سر آنکھوں پر، اور جو صحابہ کرامؓ کی طرف سے آیا، ہم اسے اختیار کریں گے اور جو دوسروں کی طرف سے آیا تو وہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں''(۱۱)۔ ''ہم شدید ضرورت کے سوا قیاس نہیں کرتے۔ ہم مسئلہ کی دلیل میں سب سے پہلے کتاب وسنّت یا صحابہؓ کے قضایا دیکھتے

ہیں۔اگر دلیل نہ پائیں تو پھر اتحادِ علّت کی بنا پر مسکوت عنہ کو منطوق بہ پر قیاس کرتے ہیں۔"(۱۲) "مجھے ان لوگوں پر حیرت ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ میں رائے سے فتویٰ دیتا ہوں۔میں تو صرف اثر سے فتویٰ دیتا ہوں۔"(۱۳)

امام ابوحنیفہؒ کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ وہ قرآن وسنّت کے بعد آثارِ صحابہؓ کو لیتے،ان کی تقلید کرتے اوران سے باہر نہیں جاتے تھے۔اگر کسی صحابی کا قول نہ ملے تو پھر وہ اجتہاد اور قیاس سے کام لیتے تھے۔

مالکی علمائے اصول کی آراء:

امام مالکؒ قولِ صحابی کو حجت مانتے تھے۔آپ کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ قول بہت پسند تھا کہ رسول اللہﷺ نے سنّت جاری فرمائی، آپ کے بعد آپ کے خلفاءؓ ہمارے لیے سنّت ہیں۔ان کی سنّت کو لینا کتاب اللہ کی تصدیق،اطاعتِ الٰہی کی تکمیل اور دین اللہ کے لیے قوّت ہے۔اس سنّت میں تغیر وتبدیلی کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔اس سے اختلاف کرنے والے کی رائے کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔جس نے اس سنّت پر عمل کیا اس نے ہدایت پائی،جس نے اس سے مدد حاصل کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے اس سنّت کی مخالفت کی وہ سبیل المومنین کے بجائے کسی اور راستہ پر چلا۔جس نے اس سے منہ پھیرا،اللہ تعالیٰ اس سے اعراض کرے گا اور اسے جہنم میں داخل کرے گا اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔(۱۴)

امام شاطبیؒ (م۷۹۰ھ) کا قول ہے: **سنّة الصحابة رضی اللّٰه عنهم سنّة یعمل علیها ویرجع الیها.** (۱۵) یعنی سنّتِ صحابہؓ بھی سنّت کی ایک قسم ہے،اس پر عمل اور اس کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ مالکی علماء نے اقوالِ صحابہؓ کو بطور سنّت ہی لیا ہے۔

امام شاطبیؒ کی کتاب **الموافقات فی اصول الشریعة** کے شارح استاذ عبداللہ دراز نے امام شاطبیؒ کے قول **سنّة الصحابة سنّة** کی شرح میں لکھا ہے: "صحابہؓ کی سنّت سے مراد عملی سنّت ہے۔یعنی صحابہؓ نے کوئی عمل کیا اور اس کے موافق یا مخالف کوئی سنّتِ نبوی منقول نہ ہو تو ہم یہ عملِ صحابہؓ سنّتِ نبوی میں شمار کریں گے اور اس کی اقتداء کریں گے۔اس بنا پر مصنّف کا یہ کہنا کہ قولِ صحابہؓ معتبر اور عمل قابلِ اقتداء ہے تو اس میں قول سے مراد قولِ تکلیفی ہے مثلاً صحابہؓ حج کے موقع پر کسی مخصوص جگہ پر تکبیر اور تلبیہ کہتے ہیں۔قول سے مراد ان کی ذاتی رائے اور اجتہاد نہیں ہے۔"(۱۶)

امام نوویؒ (م۶۷۶ھ) نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ قولِ صحابی کو اس حیثیت سے نہیں لیتے تھے کہ وہ صحابی کی رائے ہے بلکہ وہ اسے ایسی حدیث کے طور پر لیتے تھے جسے صحابی نے رسول اللہﷺ کی طرف مسند نہیں کیا۔اسی لیے

امام مالکؒ بعض اوقات موقوف کو مرفوع پر مقدم کرتے ہیں۔(۱۷) حافظ ابن قیمؒ (م ۷۵۱ھ) نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ قولِ صحابی کو قیاس پر مقدم کرتے ہیں۔(۱۸)

شافعی اصولیین کی آراء:

امام شافعیؒ کا قدیم قول یہ ہے کہ صحابی کا قول حجت اور قیاس پر مقدّم ہے۔(۱۹) امام شافعیؒ نے **الرسالة** میں لکھا ہے: ''میں نے کہا: جب قرآن، سنّت اور اجماع میں مجھے کچھ نہ ملے یا ایسی چیز بھی نہ ملے جو اس کے معنی میں ہو جس سے اس کا حکم لیا جا سکے، یا اس قولِ صحابی کے ساتھ قیاس بھی ہو تو میں صحابی کے اس تنہا قول کا اتباع کرتا ہوں۔''(۲۰)

بیہقی (م ۴۵۸ھ) نے امام شافعیؒ کا قول نقل کیا ہے: ''ہم نے جن کو پایا ہے یا ہمارے علاقہ کے جن لوگوں سے ہمیں بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ انہیں جس مسئلہ میں حدیث نہ ملتی تو وہ متفق علیہ قولِ صحابہؓ کو لیتے اور اختلافی اقوال میں سے کسی ایک کا قول لے لیتے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ ہم ان اقوال سے باہر نہیں جاتے۔ اگر قولِ صحابی کے خلاف کسی اور صحابی کا قول نہ ہو تو ہم وہ لے لیتے ہیں۔''(۲۱)

امام شافعیؒ نے علم کے پانچ طبقات گنوائے ہیں: ۱۔ کتاب اللہ اور سنّتِ ثابتہ، ۲۔ اجماع، اگر کسی مسئلہ میں کتاب و سنّت سے کچھ نہ ملے، ۳۔ قولِ صحابی، جب کسی صحابی کا مخالف قول معلوم نہ ہو، ۴۔ اختلافِ صحابہؓ اور ۵۔ قیاس (۲۲)۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک کتاب اللہ، سنّت اور اجماع کے بعد قولِ صحابی کا درجہ ہے اور قولِ صحابی قیاس پر مقدّم ہے۔

امام شافعیؒ کا ایک قول ہے:

''میں اس شخص کے قول کی خاطر حدیث کیسے ترک کردوں کہ اگر میں اس کا زمانہ پاتا تو اس سے بحث کرتا''۔ یہ قول نقل کرنے کے بعد امام شاطبیؒ لکھتے ہیں کہ اس کے باوجود امام شافعیؒ صحابہ کرامؓ کی قدر و تعظیم جانتے تھے۔(۲۳)

ایک رائے یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے قولِ جدید کے مطابق تصرفات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قولِ صحابی دو صورتوں میں حجت ہے: ایک یہ کہ قول اس مسئلہ میں ہو جس میں اجتہاد کا دخل و مجال نہ ہو اور دوسری یہ کہ اگر اس میں مجالِ اجتہاد ہو تو قولِ صحابی کی موافقت میں کوئی نص وارد ہوئی ہو، جیسے میراث کے مسائل میں امام شافعیؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ کی تقلید کی ہے۔(۲۴) آپ کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ میراث کا

علم سب سے زیادہ جانتے تھے۔(۲۵)

جمہور شافعیہ کے نزدیک قولِ صحابی حجت نہیں ہے۔مقداروں کے بارے میں قولِ صحابی توقیف پر محمول کیا جائے گا۔ جیسے حضرت عمرؓ نے مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم مقرر کی (۲۶)۔ دیگر فقہاء کہتے ہیں کہ مخالفِ قیاس قول کو توقیف پر محمول نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ صحابی کا اجتہاد ہے اور اس پر قیاس مقدم ہے۔(۲۷)

حنبلی علمائے اصول کی آراء:

امام احمد بن حنبلؒ اور اکثر اصحاب امام احمدؒ کے نزدیک قولِ صحابی مطلق حجت ہے، خواہ وہ موافقِ قیاس ہو یا مخالفِ قیاس۔قولِ صحابی قیاس پر مقدم ہے(۲۸)۔امام احمد بن حنبلؒ کا اصول تھا کہ جس مسئلہ میں حدیث سے صراحتاً کوئی حکم نہ ملتا تو وہ اس مسئلہ میں صحابہؓ کے فتویٰ سے باہر نہیں جاتے تھے۔(۲۹)

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ امام احمد بن حنبلؒ صحابہؓ کے تمام فتاویٰ کو نقل کی قبیل سے سمجھتے تھے، البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ اقوالِ صحابہؓ کو فہمِ دین اور شرعِ اسلامی میں اقوالِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرجع ثانی قرار دیتے تھے۔(۳۰) حنابلہ کے نزدیک مخالفِ قیاس قول توقیف پر محمول کیا جائے گا اور وہ قول ظاہراً واجب ہے۔(۳۱) جن اموالِ مسلمین کو کفار لے چکے ہوں، پھر مسلمان ان پر قبضہ کر لیں اور مالک اپنا مال پالے تو امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مالک اپنے مال کا سب سے پہلے حق دار ہے، لیکن اگر مالک تقسیم مال کے بعد اسے پائے تو پھر وہ اس کا حق دار نہیں ہے۔ایسا حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے۔اگر قیاس سے کام لیا جاتا تو یہ مال مالک کا ہوتا۔(۳۲)

امام احمد بن حنبلؒ، صحابہؓ کے فتاویٰ کو مرسل اور ضعیف پر مقدم کرتے تھے۔اس سوال کے جواب میں کہ جب حدیث کے راوی ثقہ ہوں مگر مرسل ہو، وہ آپ کو زیادہ پسند ہے یا صحابی کا فتویٰ جو متصل اور صحیح سند کے ساتھ ہو؟ آپ نے فرمایا: اس صورت میں صحابی کا فتویٰ مجھے زیادہ پسند ہے۔(۳۳)

ظاہری، اشعری و معتزلی وغیرہ اصولیین کی آراء:

قولِ صحابی کو حجت نہ ماننے والوں میں امام ابن حزمؒ ظاہری (م ۴۵۶ھ)، شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ)، اشاعرہ اور معتزلہ بھی شامل ہیں۔ابو علی جبائیؒ معتزلی (م ۳۰۳ھ) حجیتِ قولِ صحابی کے قائل ہیں۔ابوالحسین بصریؒ معتزلی کے نزدیک اگر قول ایسا ہے جس میں رائے اور اجتہاد کا دخل نہیں ہے تو وہ حجت ہے۔(۳۴)

قائلین کے دلائل:

حجیتِ قولِ صحابی کے قائلین نے اپنے موقف کی تائید میں قرآن مجید، احادیث، آثار اور عقلی دلائل سے استدلال کیا ہے۔ ان کے چند اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

قرآن مجید سے دلائل:

''كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ''(۳۵)

''جتنی اُمتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

اس آیت سے صحابہ کرامؓ کی تمام امتوں پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ وہ ہر حال میں حق پر استقامت دکھانے والے تھے۔ ان کے تمام احوال اس لائق ہیں کہ ان کی موافقت کی جائے ہیں، نہ کہ ان کی مخالفت کی جائے۔ اس آیت کے مخاطب صحابہ کرامؓ ہیں کہ وہ جس چیز کا حکم دیتے ہیں وہ معروف ہے، اور امر بالمعروف کو قبول کرنا واجب ہے۔

'' وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا''(۳۶)

''اور اسی طرح ہم نے تم کو اُمّتِ معتدل بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماں) تم پر گواہ بنیں۔''

اس آیت سے صحابہ کرامؓ کی مطلق عدالت ثابت ہوتی ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرامؓ خیر امت اور علی الاطلاق عدول ہیں تو پھر ان کا قول اور عمل قابلِ اقتداء ہے۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ.(۳۷)

اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو۔

اس آیت کا یہ معنی ہے کہ کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرو۔ سنّتِ رسول ﷺ میں

اقتدائے صحابہؓ کا کہا گیا ہے۔صحابی کا فتویٰ مقدم کرنا، امر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف لوٹانا ہے۔

اس آیت کی رو سے جب ایسا کرنا ممکن ہو تو امر کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانا واجب ہے۔لیکن جب اختلافی مسئلہ کا حکم کتاب اللہ اور سنّت رسول ﷺ میں نہ ملے تو پھر امر کو ان دونوں کی طرف لوٹانا واجب نہیں ہے۔صحابی کا مذہب بھی اس وقت واجبِ اتباع ہے جب کسی واقعہ کا حکم کتاب اللہ اور سنّتِ نبوی میں نہ ملے۔

سنّت سے دلائل:

ا۔حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اصحابی کالنجوم بأیهم اقتد یتم اهتد یتم. (۳۸)

میرے صحابہؓ ستاروں کے مانند ہیں۔تم ان میں سے جس کی اقتداء کروگے، ہدایت پاؤگے۔

ظاہراً یہ حدیث متقاضی ہے کہ ہر صحابی کی اقتداء جائز ہے۔صحابی کی اقتداء ہدایت ہے۔ یہاں ہدایت کے لیے اتباع واقتداء لازم کی گئی ہے۔ یہ اس کی حجت پر دلیل ہے۔ جب صحابی کا قول ہدایت ہے تو پھر اسے ترک کر کے غیر صحابی کا قول لینا جائز نہیں ہے۔

۲۔حضرت عرباض بن ساریہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فعلیکم بسنّتی و سنّة الخلفاء الراشد ین المهد یین تمسّکوا بها و عضُّوا علیها والنّواجذ وایّاکم و مُحد ثات الأمور فإن کل مُحدَ ثَةٍ بدعةٌ وکُلَّ بِدْعةٍ ضلالةٌ. (۳۹)

پس تم پر لازم ہے کہ تم میری سنّت اور خلفائے راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں، کی سنّت کو پکڑے رہو اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ کر رکھو، اور دین میں نئے امور نکالنے سے بچو، کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنّت کے ساتھ سنّتِ خلفائے راشدین کو ملا دیا ہے۔جس طرح اپنی سنّت کے اتباع کا حکم دیا ہے اسی طرح اتباعِ سنّتِ خلفاء کا بھی حکم دیا ہے۔اس میں تمام صحابہؓ یا اکثر یا ان میں سے بعض، سب کے فتاویٰ شامل ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ خلفائے راشدین نے اپنی سنّت کو آنِ واحد میں نہیں بنایا۔پس معلوم ہوا کہ ان میں سے جو بھی اپنے دور میں کسی طریقہ پر چلا، وہ خلفائے راشدین کی سنّت میں سے ہے۔صحابہؓ کے خلاف قول لانا، نئے امور میں سے اور بدعت ہے۔

۳۔حضرت عمران بن حُصینؓ کی روایت میں فرمانِ نبوی ہے:

خیر امتی قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم قال عمران فلا ادری أذکر بعد قرنه قرنین أو ثلاثا. (۴۰)

''میری امت میں سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھران کا جوان کے بعد متصل ہوں گے، پھران کا جو ان کے بعد متصل ہوں گے۔حضرت عمرانؓ نے فرمایا: مجھے یادنہیں کہ آپ نے اپنے زمانہ کے بعد دومرتبہ قرن فرمایا تھایا تین مرتبہ۔''

اقوالِ آئمہ:

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے:''بے شک اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں پرنظر ڈالی تو حضرت محمدﷺ کو اختیار کیا اور اپنی رسالت سے مبعوث کیا اور اپنے علم سے آپ کو چن لیا۔پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہﷺ کے بعد لوگوں کے دلوں کی طرف دیکھا تو آپ کے لیے صحابہؓ کو اختیار کیا اور انہیں اپنے دین کے مددگار بنایا اور اپنے نبی کے وزراء بنایا۔اور جس چیز کو مومنین اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھی ہے اور جسے مومنین بُرا سمجھیں وہ چیز اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے۔''(۴۱)

یہ محال ہے کہ''خیر القلوب''، غلطی کریں اور ان کے بعد والے حق پالیں۔اگر کسی صحابی نے فتویٰ دیا اور دیگر صحابہؓ خاموش رہے تو اس کی دوصورتیں ہیں:انہوں نے فتویٰ اچھا سمجھا، یا انہوں نے اسے بُرا جانا۔اگر اچھا سمجھا تو وہ اللہ کے ہاں بھی احسن ہے۔اگر بُرا جان کر اس کا انکار نہ کیا تو قلوبِ صحابہؓ ''خیر قلوب العباد'' نہ رہے۔بعد والوں نے اس غلط قول کا انکار کیا تو وہ صحابہؓ سے بہتر اور زیادہ عالم بن گئے اور یہ قطعی ناممکن ہے۔

۲۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا:''تم میں سے جسے پیروی کرنی ہو وہ رسول اللہﷺ کے صحابہ کرامؓ کی پیروی کرے۔وہ اس امت میں سب سے زیادہ پاکیزہ دل، سب سے زیادہ گہرا علم رکھنے والے، سب سے کم تکلف والے، راہِ ہدایت پرسب سے زیادہ قائم اور سب سے بہتر حال والے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبیﷺ کی صحبت ورفاقت کے لیے منتخب کیا تھا۔پس تم ان کی فضیلت پہچانو اور ان کے نقشِ قدم کی پیروی کرو۔وہ راست ہدایت پر تھے۔''(۴۲)

یہ ناممکن ہے کہ امت کے سب سے زیادہ پاکیزہ دلوں والے، سب سے گہرا علم رکھنے والے، سب سے کم تکلف کرنے والے اور راہ ہدایت پر سب سے زیادہ قائم اصحاب کو اللہ تعالیٰ اپنے احکام میں صواب سے محروم کردے

اوران کے بعد آنے والے اسے پالیں۔

۳۔ حضرت ابن عباسؓ سے جب مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ اس کا حکم دریافت کرنے کے لیے سب سے پہلے قرآن کی طرف رجوع کرتے اور پھر سنّت کی طرف۔ اگر ان دونوں سے حکم نہ ملتا تو پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے جو مروی ہوتا، اسے بتادیتے، ورنہ اپنی رائے سے اجتہاد کرتے۔ (۴۳)

۴۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے سنّت جاری فرمائی اور آپ کے بعد خلفائے راشدینؓ نے۔ ان کی سنّت کو لینا کتاب اللہ کی تصدیق، اطاعتِ الٰہی کی تکمیل اور دین اللہ کے لیے قوت ہے۔ جس نے اس پر عمل کیا، وہ ہدایت پر ہے۔ جس نے اس سے مدد چاہی، وہی منصور ہے اور جس نے اس کی مخالفت کی، اس نے مومنوں کے بجائے کسی اور کے راستہ کی پیروی کی۔ اللہ اسے اسی پر رکھے گا اور اسے جہنم داخل کرے گا، جو بہت بُرا ٹھکانا ہے۔'' (۴۴)

۵۔ قاضی شریحؒ (م ۸۷ھ) نے فرمایا: ''میں اثر کی تابعداری کرتا ہوں اور جو اسلاف سے پایا، وہ تمہیں پہنچاتا ہوں۔'' (۴۵)

۶۔ امام شعبیؒ (م ۱۰۳ھ) فرماتے ہیں: ''تم پر لازم ہے کہ آثارِ سلف کو پکڑے رکھو، اگرچہ لوگ تجھے چھوڑ دیں۔'' (۴۶)

عقلی دلائل:

۱۔ صحابہؓ ان اسباب وحوادث کے شاہد تھے جن میں احکام نازل ہوئے۔ انہوں نے وہ احوال دیکھے جن سے احکام تبدیل ہوئے۔ وہ نبویِ خطاب کے مقاصد سے بطریق مشاہدہ زیادہ آگاہ تھے۔ مشاہدہ ہی سے مخاطب کے احوال معلوم ہوتے ہیں، خبر معائنہ کی مانند نہیں ہوتی۔ صحابہؓ کا کسی مسئلہ میں اعتبار اور قیاس اقرب اِلی صواب اور ان کا قیاس ہمارے قیاس سے زیادہ قوی اور راجح ہے۔ ان کی رائے ہر اس شخص کی رائے پر ترجیح رکھتی ہے جس نے وہ تمام احوال واسباب نہیں دیکھے جنہیں صحابہ کرامؓ نے دیکھا ہے۔ لہٰذا اس صفت کی بنا پر قولِ صحابی کی تقدیم واجب ہے جس طرح خبرِ واحد کو قیاس پر مقدم کرنا واجب ہے، اگرچہ وہ خبر واحد قطعی نہ ہو۔

۲۔ صحابی کے فتویٰ میں یہ احتمال ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو۔ صحابی کے پاس کوئی نص اور خبر ہو جس پر اس نے فتویٰ دیا۔ صحابہ کرامؓ کی عادت سے ظاہر ہے کہ جس صحابی کے پاس نص ہوتی تو وہ کبھی اسے روایت کرتے اور کبھی نص سے موافقت کرتے ہوئے فتویٰ دے دیتے اور روایت نہ کرتے۔ اگر ضرورت کے وقت رائے

سے فتویٰ دیا تو اس سے پہلے وہ لوگوں سے مشورہ کرتے تھے کہ شائد ان کے پاس کوئی خبر ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس میں صاحبِ وحی سے سماع کا احتمال ہو وہ محض رائے پر مقدم ہے۔ بلکہ صحابہ کرامؓ میں سماع اصل ہے اور قولِ صحابی کو صرف احتمال کی بنیاد پر سماع سے منقطع نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ صحابہؓ کی عادت تھی کہ وہ فتویٰ دیتے وقت اس کے موافق خبر کی اسناد سے متعلق خاموش رہتے اور خبر کو رسول اللہ ﷺ کی طرف مسند نہیں کرتے تھے۔ ایسا کرنا کتمان نہیں ہے۔ کسی سوال کے جواب میں واجب یہی ہے کہ حکم بیان کر دیا جائے، البتہ اگر حکم کا مستند پوچھا جائے تو پھر اسناد بتانا واجب ہے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ صحابہؓ نے احتیاطاً خبر روایت نہ کی ہو۔ خبر کے الفاظ اچھی طرح یاد نہ ہوں اس لیے خبر کے معنی ومفہوم پر فتویٰ دے دیا ہو۔ یہ احتمال بھی ہے کہ صحابی نے اسے نقل کیا لیکن وہ ہم تک پہنچا نہ ہو، یا صحابی نے گمان کیا کہ دوسرے صحابی نے اسے نقل کر دیا ہوگا، لہٰذا اس نے اس پر اکتفا کیا ہو۔ جب قولِ صحابی میں سماع کا احتمال ثابت ہو گیا تو وہ اس رائے پر مقدم ہے جس کی بنیاد میں کوئی خبر نہیں ہے۔ یوں قولِ صحابی کو رائے پر مقدم کرنا بمنزلۂ خبر واحد کو قیاس پر مقدم کرنے کے ہے۔

۴۔ صحابہ کرامؓ نے جو سنا وہ سب روایت نہیں کیا۔ اگر تمام صحابہؓ اپنی روایات رسول اللہ ﷺ کے نام سے بیان کرتے تو ان کی تعداد حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایات سے بھی زیادہ ہوتی۔ صحابہ کرامؓ روایات میں حزم واحتیاط سے کام لیتے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے جو سنا ہوتا، اسے بیان کرتے لیکن صریح الفاظ میں یہ نہیں کہتے تھے کہ ہم نے اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

۵۔ صحابی کے فتویٰ میں چھ امکانات پائے جاتے ہیں: ۱۔ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو، ۲۔ صحابی سے سنا جس نے اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو، ۳۔ قرآن کی کسی آیت سے سمجھا ہو جو فہم ہم سے مخفی رہ گیا ہو، ۴۔ اس پر فتویٰ صحابہ کرام کی ایک جماعت کا اتفاق ہو لیکن وہ ہم تک ایک صحابی کے فتویٰ کے طور پر پہنچا ہو، ۵۔ لفظ کی اسی معنی پر دلالت ہو جس کے لیے صحابی نے لفظ استعمال کیا ہے اور ہم اس کی وجہ نہیں سمجھ پا رہے یا سیاق میں ایسے قرائن کا پایا جانا ہو جو شارع کے خطاب سے متعلق ہیں، ان سب چیزوں کے پیشِ نظر انہوں نے اسے سمجھا ہو اور پھر کہا ہو۔ وہ نزولِ وحی کے شاہد تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے افعال، اقوال اور سیرت سے آگاہ تھے اور ۶۔ وہ مفہوم سمجھا ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد نہیں تھی۔

پہلی پانچ صورتوں میں صحابی کا فتویٰ حجت اور واجبِ اتباع ہے۔ آخری صورت میں یہ فتویٰ حجت نہیں ہے۔ لیکن پہلے پانچ احتمالات چھٹے احتمال پر غالب ہیں۔ غالب گمان ہی مطلوب ہوتا ہے اور اسی پر عمل ہوتا ہے۔ (۴۷)

۶۔ قولِ صحابی دوصورتوں سے خالی نہیں ہے: یا وہ توقیفی ہے یا مبنی بر اجتہاد ہے۔ اگر توقیفی ہے تو وہ واجب الاتباع ہے اور اگر مبنی بر اجتہاد ہے تو صحابی کا اجتہاد غیر صحابی کے اجتہاد سے اولیٰ ہے۔

۷۔ جس قول میں قیاس کا دخل نہیں اور اس میں رائے کے قبیل سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تو وہ قول توقیف پر محمول کیا جائے گا۔ صحابہ کرامؓ کے قول میں اٹکل پچو، بے تکے پن اور اندازے کا گمان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بھی جائز نہیں ہے کہ ان کا قول کذب پر محمول کیا جائے، کیونکہ نصوص صحابہ کرامؓ ہی سے ہم تک پہنچی ہیں۔ اگر ان کا قول کذب پر محمول کیا جائے تو ان کی روایات باطل قرار پائیں گی۔ پس صحابی کی رائے یا رسول اللہ ﷺ سے سماع کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہیں ہے۔ اس باب میں رائے کا دخل نہیں، لہٰذا سماع متعین ہو گیا۔ صحابی کا فتویٰ رسول اللہ ﷺ سے روایت کی مانند ہو گیا۔

۸۔ صحابہ کرامؓ کے مابین اختلاف ہونا اور ان کا ایک دوسرے کی مخالفت جائز قرار دینا عدم حجیت کی دلیل نہیں ہے۔ یہ دلیل محلِ نزاع سے متعلق نہیں ہے کیونکہ ایک صحابی کا قول دوسرے صحابی پر بالاتفاق حجت نہیں ہے۔ قولِ صحابی دوسرے صحابی پر لازم نہیں ہے کیونکہ وہ برابر تھے، لیکن غیر صحابی پر لازم ہے کیونکہ وہ صحابی کے مساوی نہیں ہے۔ ان میں مختلف وجوہ سے تفاوت پائی جاتی ہے۔

مخالفین کے دلائل:

منفرد قولِ صحابی کی حجیّت کے مخالفین نے اپنے موقف کی حمایت میں قرآن مجید، احادیث، آثار اور عقل سے استدلال کیا ہے:

قرآن مجید سے دلائل:

۱۔ ''فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِى الْاَبْصَارِ''(۴۸)

''پس اے (بصیرت) کی آنکھیں رکھنے والو! سوچ بچار کرو۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اعتبار یعنی اجتہاد کا حکم دیا ہے، تقلید کا حکم نہیں دیا۔ اعتبار تقلید کے منافی ہے۔

۲. يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ.(۴۹)

''مومنو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحبِ حکومت ہیں

ان کی بھی۔اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روزِ آخرت ایمان رکھتے ہو، اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ (کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے متنازع امور کو صرف اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانا واجب اور ولی الامر کی طرف لے جانا ساقط قرار دیا ہے۔مذہبِ صحابی کی طرف رجوع واجب کا ترک کرنا ہے جو ممنوع ہے۔

۳۔ قرآن مجید کی آیت: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (۵۰) ذہبِ صحابی کی حجیت کی دلیل نہیں ہے۔اس میں تمام صحابہؓ کو خطاب ہے۔اگر یہ دلیل ہے تو ان کے اجماع کی دلیل ہے۔صحابہؓ کی جماعت جس چیز کا حکم دے اس کا اتباع واجب ہے۔اجماعِ جماعت کی حجیت ثابت ہونے سے قولِ واحد کا حجت ہونا لازم نہیں آتا۔

سنّت سے دلائل:

۱۔امام مالکؒ نے رسول اللہ ﷺ کا قول مبارک نقل کیا ہے:

ترکت فیکم امرین لن تضّلوا ما تمسّکتم بهما کتاب اللّٰه و سنّة نبیه.(۵۱)

میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، تم جب تک ان دونوں کو پکڑے رکھو گے، گمراہ نہیں ہوگے۔وہ ہیں: کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنّت۔

۲۔حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

انّی قد ترکت فیکم الثقلین: کتاب اللّٰه و سنّتی فلاتُفسِدُ وہ، و انّه لا تَعْمَی ابصارکم، ولن تزل اقدا مکم، ولن تقصر اید یکم، ما اخذ تم بهما.(۵۲)

بے شک میں نے تم میں دو اہم چیزیں چھوڑی ہیں: کتاب اللہ اور میری سنّت۔پس اسے خراب مت کرو۔جب تک تم ان دونوں سے اخذ کرتے رہو گے تمہاری آنکھیں اندھی نہیں ہوں گی اور تمہارے قدم ڈگمگائیں گے نہیں اور تمہارے ہاتھوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

۳۔حضرت ابو ہریرۃؓ راوی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إنّی قد خلفت فیکم شیئین لن تضّلوا بعد هما أبداً ما اخذ تم بهما: کتاب اللّٰه و سنّتی، ولم یتفرقا حتی یَردا علّیِ الحوض.(۵۳)

میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ان دونوں کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہوگے جب تک تم ان دونوں سے اخذ کروگے۔یہ دو چیزیں کتاب اللہ اور میری سنّت ہیں اور یہ دونوں الگ الگ نہیں ہوں گی یہاں تک کہ وہ

دونوں حوضِ کوثر پر میرے پاس آئیں گی۔

مندرجہ بالا احادیث اس بات پر زور دیتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے لیے کتاب وسنّت چھوڑ گئے ہیں۔ان دونوں سے تمسک ضروری ہےاورانہیں چھوڑنا گمراہی ہے۔

۴۔ حدیثِ حضرت معاذ بن جبلؓ: اجتھد رائی، اس امر پر دلیل ہے کہ کتاب وسنّت کے بعد رائے کے سوا کسی پر عمل نہیں ہوگا۔

۵۔ فرمانِ نبوی: **فعلیکم بسنّتی و سنّة الخلفاء الراشدین** سے مراد اُن کے طریق پر چلنا ہے۔اگر اس حدیث سے خلفائے راشدینؓ کا اتباع واجب قرار دیا جائے تو پھر تمام صحابہؓ کے لیے ایسے مسئلہ میں اجتہاد کرنا حرام قرار پائے گا جس پر خلفاء کا اتفاق ہو،لیکن ایسا نہیں ہے۔صحابہ کرام ؓ مسائل میں اختلاف کرتے اور جوازِ اجتہاد کی صراحت کرتے تھے۔رسول اللہ ﷺ ایسے کام کا حکم نہیں دیتے تھے جس کے کرنے کی لوگوں میں طاقت نہ ہو۔آپ کے بعد خلفائے راشدینؓ نے متعدد مسائل میں اختلاف کیا۔اب اس کی تین صورتیں ہیں: ایک یہ کہ خلفاء نے جس میں اختلاف کیا، سب کو لیں، یہ ممکن نہیں ہے۔کوئی شخص یہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ایسی صورت میں چیزیں اوران کی اضداد جمع ہو جائیں گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ان کے اختلاف میں سے جو چاہیں، وہ لینا مباح ہو۔یہ اسلام سے خروج ہے کیونکہ اس سے اللہ کا دین ہماری پسند وخواہش کے تحت ہو جائے گا۔ہم میں سے جو چاہے،حرام کردے گا اور جو چاہے، حلال کردے گا۔ایک حلال کرے گا، دوسرا اسے حرام قرار دے گا۔ جب ہم ایک صحابی کا قول لیں اور دوسرے کا قول ترک کریں تو ہم سنّتِ صحابہؓ کے متبعین نہیں ہوں گے اوراس حدیث کے خلاف چلیں گے۔تیسری صورت یہ ہے کہ جن پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہواور جسے انہوں نے سنّتِ نبی کے تتبع میں اختیار کیا ہو،اسے لیں۔

۶۔ فرمانِ نبوی: **اصحابی کالنّجوم بایّھم اقتد یتم اھتد یتم** سے یہ مراد ہے کہ احکام میں حصولِ صواب کے لیے صحابہ کرامؓ کے طریق پر چلا جائے اوران کا طریق قرآن وسنّت کے بعد رائے اور اجتہاد پر عمل کرنا تھا۔دلائل پر غور کرنے اور طریقِ اجتہاد میں صحابہ کرامؓ جیسا عمل کیا جائے تاکہ حق واضح ہو،اور یہ تقلید سے منع کرتا ہے۔سیرت وتقویٰ میں ان کا اتباع کیا جائے۔رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو نجوم سے تشبیہ دی ہے۔نجوم سے راہنمائی رائے اوراستدلال سے لی جاتی ہے۔صحابہ کرامؓ کے اقوال پر بنا کرتے ہوئے رہنمائی لی جائے گی، نہ کہ نفسِ قول کو بنیاد بنا کر۔ستاروں سے رہنمائی لینے سے ستارہ بذاتہ واجب نہیں ہو جاتا۔جس طرح صحابہ کرامؓ نے اپنی

زندگی میں کتاب وسنّت کو مشعلِ راہ بنایا، اسی طرح ان کے طریق پر چلتے ہوئے کتاب وسنّت ہی کو حجت سمجھا جائے۔

اس حدیث سے یہ مراد بھی ممکن ہے کہ صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے جو نقل کیا ہے اس میں ان کی اقتداء کی جائے گی۔

علماء نے اس حدیث کی صحت پر سخت تنقید کی ہے۔ امام ابن حزمؒ نے اسے موضوع کہا ہے۔ علمائے جرح نے اس کے بعض راویوں کو کذاب کہا ہے۔ امام ابن حزمؒ نے سلام بن سلیمان کے بارے میں کہا ہے کہ وہ موضوع احادیث روایت کرتا تھا۔ حافظ ابن عبدالبرؒ کے مطابق اس حدیث کے اسناد سے حجت قائم نہیں ہوسکتی کیونکہ اس میں ایک راوی حارث بن غصین مجہول ہے۔ ابن الوزیرؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ ضعیف حدیث سے کوئی قاعدہ اصولیہ مثلاً قولِ صحابی کی حجیت ثابت نہیں کی جاسکتی۔ ابوبکر بزارؒ (م ۲۹۲ھ) کے مطابق یہ کلام نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس حدیث کی سند میں ایک راوی کو ضعیف جداً کہا ہے۔ علامہ شوکانیؒ کے مطابق اس کا حدیث ہونا ثابت نہیں ہے جیسا کہ علمائے حدیث کی رائے ہے۔ لیکن عبدالحی لکھنویؒ (م ۱۳۰۴ھ) نے کہا ہے کہ حدیث (بایّھم اقتدیتم اھتدیتم) مختلف الفاظ سے روایت ہوئی ہے۔ اس کی جرح پر علماء نے طویل کلام کیا ہے۔ یہاں تک کہ بعض نے اسے موضوع حدیث گمان کیا ہے، جب کہ ایسا نہیں ہے۔ اس حدیث کے طرقِ روایت ضعیف ہیں لیکن اس سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔ (۵۴)

اجماع سے دلائل:

اس بات پر اجماعِ صحابہؓ ہے کہ مجتہد صحابہؓ کا ایک دوسرے سے اختلاف کرنا جائز ہے۔ (۵۵) اگر قولِ صحابی حجت ہوتا تو کسی معاصر صحابی کے لیے اس کی مخالف جائز نہ ہوتی۔ جس طرح کتاب وسنّت حجت ہیں، ان کا اتباع لازم ہے اور کسی کے لیے ان کی مخالفت جائز نہیں ہے، اسی طرح صحابی کی مخالفت بھی جائز نہ ہوتی۔ جب صحابہؓ میں سے بعض کی بعض سے مخالفت جائز ہے تو غیر صحابی کے لیے بھی ان کی مخالفت جائز ہے، کیونکہ صحابہ کرامؓ کا مذہب جوازِ اختلاف تھا۔ جو تقلید کو جائز قرار دیتا ہے وہ اجماع کی مخالفت کرتا ہے۔

اقوالِ آئمہ:

۱۔ حضرت عمرؓ نے قاضی شریحؒ کو لکھا: ''جو کتاب اللہ میں ہے اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو سنّتِ رسول ﷺ کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر کتاب اللہ اور سنّتِ رسول ﷺ میں نہ ہو تو صالحین کے فیصلوں کے

مطابق فیصلہ کرو۔ اگر کتاب اللہ اور سنّتِ رسول ﷺ میں نہ ہو اور نہ ہی صالحین نے اس کا فیصلہ کیا ہو تو پھر اگر تم اجتہاد کرنا چاہو تو کرو اور اگر معاملہ متاخر کرنا چاہو تو متاخر کرو اور میں سمجھتا ہوں کہ متاخر کرنا تمہارے لیے بہتر ہے۔"(۵۶) حضرت عمرؓ نے یہ نہیں فرمایا: "بعض صالحین کے فیصلوں کے مطابق" بلکہ یہ فرمایا: "صالحین کے فیصلوں کے مطابق" اور یہ تمام صالحین کا اجماع ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ اگر تمہیں قرآن وسنّت میں نہ ملے تو میرے قول کی طرف رجوع کرنا۔

۲۔ صحابہ کرامؓ نے تابعین کو اختلاف کرنے کی اجازت دی۔ وہ صحابہؓ کی موجودگی میں فتویٰ دیتے اور صحابہؓ سے اختلاف کرتے تھے۔ تابعی ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کسی مسئلہ میں حضرت ابن عباسؓ کی مخالفت کی اور وہ دونوں یہ مسئلہ حضرت ام سلمہؓ کے پاس لے کر گئے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے ابوسلمہ کو یہ نہیں کہا کہ میں صحابی ہوں، تمہارے لیے میری مخالفت کرنا جائز نہیں ہے اور تم پر میرا اتباع وتقلید واجب ہے۔(۵۷)

عقلی دلائل:

۱۔ قولِ صحابی حجت مان لینے سے اللہ تعالیٰ کے دلائل وحجیت کا مختلف اور متعارض ہونا لازم آتا ہے، کیونکہ صحابہ کرامؓ نے کئی مسائل میں اختلاف کیا اور ایک ایک مسئلہ میں ان کے متعدد اقوال ہیں۔

۲۔ اگر قولِ صحابی دلیل اور حجت ہوتا تو پیغمبر کی طرح صحابہ بھی لوگوں کو اپنے قول کی طرف بلاتے۔

۳۔ قیاس اصولِ دین میں سے ایک اصل اور ادلّہ شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے۔ نص کی عدم موجودگی میں قیاس پر عمل واجب ہے۔ اس کی دلیل حضرت معاذؓ کی یہ حدیث ہے: اجتھد رأی یعنی اگر مجھے کتاب وسنّت سے مسئلہ کا حکم نہ ملا تو میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ جب قیاس کسی مسئلہ کے حکم میں شرعی دلیل ہے تو وہ قولِ صحابی پر مقدم ہے۔ قولِ صحابی قیاس پر مقدم کرنے سے یہ لازم آئے گا کہ اگر کوئی خبر قولِ صحابی کے خلاف ہو تو ان دونوں میں تعارض واقع ہو جائے یا دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کو منسوخ کر دے، جیسا کہ دو متعارض نصوص کے درمیان ہوتا ہے۔ قیاس پر ایسے شخص کا قول مقدم نہیں ہوگا جس کے لیے خطا جائز ہے۔

۴۔ قولِ صحابی مشہور ہوا اور کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی تو یہ یا تو اجماع ہے یا نہیں ہے۔ اگر اجماع ہے تو پھر اجماع حجت ہے، مذہبِ صحابی حجت نہیں۔ اگر یہ اجماع نہیں ہے تو پھر اس میں حجیت مطلقاً نہیں پائی جاتی۔

۵۔ ممکن ہے صحابی کا قول توقیفی ہو یا اجتہادی، لہٰذا شک سے اثباتِ سنّت جائز نہیں۔ اگر اس طرح قولِ صحابی سے سنّت ثابت ہو تو پھر قولِ تابعی سے بھی سنّت ثابت ہوگی، جبکہ اس سے سنّت ثابت نہیں ہوتی، تو پھر قولِ

صحابی سے بھی سنت ثابت نہیں ہوگی۔

۶۔ صحابہؓ اپنے قول میں خطا سے غیر معصوم و غیر مامون تھے۔صحابی کے لیے عصمت ثابت نہیں ہے۔ وہ اہلِ اجتہاد میں سے تھے جن سے خطا اور صواب دونوں کا امکان تھا۔ جس کا قول خطا سے غیر معصوم ہو، وہ دوسروں پر حجت نہیں ہوسکتا۔ حجت کا مدار عصمت ہے جو صحابہ کرامؓ میں نہیں پایا جاتی۔ دو معصوم کیسے اختلاف کر سکتے ہیں؟ عصمت ِ صحابہؓ کی دلیل نہ ہونا، ان میں اختلاف کا واقع ہونا اور ان کا اپنی مخالفت کے جواز کی صراحت کرنا، یہ تین قطعی دلائل ہیں کہ قولِ صحابی حجت نہیں ہے۔

۷۔ صحابہؓ نے خود کبھی اپنی رائے کو شریعت قرار دیا اور نہ لوگوں کو اپنی تقلید کی طرف بلایا۔ انہوں نے اپنی رائے کو اپنی طرف منسوب کیا، نہ کہ شریعت کی طرف۔ مثلاً حضرت عمرؓ کے کاتب نے ایک مرتبہ یہ فقرہ لکھ دیا: هذا ما أرى الله و رأى عمر یعنی یہ وہ ہے جو اللہ نے دکھایا اور حضرت عمرؓ نے دیکھا۔ اس پر آپ نے فرمایا: یوں لکھو: هذا ما رأى عمر. (۵۸) یعنی یہ وہ ہے جو حضرت عمرؓ نے دیکھا۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے ایک فتویٰ دیا تو فرمایا: میری رائے مسلمانوں پر لازم نہیں ہے۔ (۵۹)

۸۔ صحابہ کرامؓ نے متعدد مواقع پر برملا اعتراف کیا کہ ان کی رائے خطا پر مبنی ہوسکتی ہے مثلاً:

ابوبکر صدیقؓ نے کلالہ کے مسئلہ میں فرمایا: ''میں اس بارے میں فیصلہ کرتا ہوں۔ اگر یہ فیصلہ درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو یہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے۔ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد ہو اور نہ باپ ہو۔'' (۶۰)

حضرت عمرؓ نے ایک مسئلہ میں اپنی رائے سے جواب دیا تو ایک آدمی نے کہا: آپ نے حق پالیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! عمر نہیں جانتا کہ وہ درستی پر ہے یا اس نے غلطی کی، لیکن اس نے حصولِ حق میں کوتاہی نہیں کی۔'' (۶۱)

حضرت ابن مسعودؓ نے ایک موقع پر اپنا فتویٰ دینے کے بعد فرمایا: ''اگر یہ درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے۔ اگر یہ غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ اور اس کا رسول ﷺ دونوں اس خطا سے بری ہیں۔'' (۶۲)

لوگوں نے حضرت زیدؓ سے مسائل دریافت کیے۔ آپ نے انہیں بتلا دیئے۔ انہوں نے جا کر سب لکھ لیے اور حضرت زیدؓ سے اس کا ذکر کیا۔ حضرت زیدؓ نے اس سے اپنا عذر پیش کیا اور فرمایا: ''بہت ممکن ہے کہ جو میں

نے تمہیں کہا ہے وہ سب غلط ہو۔ میں نے تو اپنی کوشش واجتہاد سے تمہیں اپنی رائے دی تھی۔'' (۶۳)

۹۔ قولِ صحابی کوتو قیف پر محمول کرنے کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اگر صحابی نے سنّت میں سے کہا ہوتا اور اس کے پاس نقل میں سے کچھ ہوتا تو وہ ضرور اسے روایت کرتا۔ صحابہ تبلیغِ دین پر مامور تھے۔ لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ صحابہؓ نے بلا توقیف کہا ہے اور ان کے پاس اس سے متعلق کوئی خبر نہیں ہے۔ جو چیز نبی اکرم ﷺ کی طرف مسند نہ ہو اس کا اتباع فرض نہیں ہے۔ یہ محال ہے کہ صحابی نے خبر رکھتے ہوئے اسے نہ پہنچایا ہو۔

۱۰۔ محض صحبت اور مشاہدۂ تنزیل کی بنا پر قولِ صحابی کو اقویٰ کہنا صحیح نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ صحابی نے نبی اکرم ﷺ سے کوئی بات سنی تو ہو مگر کسی غیر صحابی کو اس کے معانی و مقاصد سے زیادہ آگاہی ہو اور صحابی اجتہاد اور فقہ میں غیر صحابی سے کم ہو۔

۱۱۔ امام ابن حزمؒ حدیث: **اصحابی کالنّجوم بایّھم اقتد یتم اھتد یتم** کے تحت لکھتے ہیں کہ اللہ نے نبی ﷺ کی یہ صفت بیان فرمائی ہے: **وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوحٰى** (۶۴) (اور نہ خواہشِ نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ یہ تو حکمِ الٰہی ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے) نبی اکرم ﷺ کا سارا کلام حق اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جو کلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو، اس میں اختلاف نہیں ہوسکتا: **وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا.** (۶۵) (اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے) اور اللہ تعالیٰ نے اختلاف اور تفرقہ سے منع فرمایا ہے: **وَلَا تَنَازَعُوْا** (۶۶) (اور آپس میں جھگڑا نہ کرو)۔ یہ محال ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ہر قول کے اتباع کا حکم دیں، جب کہ ان میں سے کسی نے ایک چیز کو حلال قرار دیا اور دوسرے نے اسے حرام کہا ہے۔ اگر ایسے اتباع کا حکم دیا ہوتا تو حضرت سمرۃ بن جندبؓ کی اقتداء میں شراب کی بیع حلال ہوتی۔ حضرت ابوطلحہؓ کی پیروی میں روزہ دار کے لیے برف کھا لینا حلال ہوتا اور دوسرے صحابہؓ کا اتباع کرتے ہوئے یہ حرام ہوتا۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت ابو ایوبؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کی پیروی میں اکسال (بے انزال جماع) کی صورت میں ترکِ غسل جائز ہوتا اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی اقتداء کرتے ہوئے یہ حرام ہوتا۔ پھل میں صلاحیت ظاہر ہونے سے قبل اس کی بیع حضرت عمرؓ کی اقتداء کرتے ہوئے حلال ہوتی اور دوسروں کی پیروی میں یہ حرام ہوتی۔ (۶۷)

فریقین کے دلائل کا جائزہ:

منفرد قولِ صحابیؓ کی حجیت پر قائلین اور مخالفین کی آراء، دلائل، اعتراضات اور ان کے جوابات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ فریقین کے دلائل کلی طور پر مسترد نہیں کیے جاسکتے۔ دونوں کے دلائل بعض پہلوؤں سے مضبوط اور قابلِ ترجیح و تسلیم ہیں۔

یہ بات قطعی ہے کہ منفرد قولِ صحابی قرآن وسنّت کے برابر درجہ نہیں رکھتا، لیکن اسے بالکل نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔ شریعتِ اسلامی کے مصادرِ اصلیہ دو ہیں: ایک کتاب اللہ اور دوسرا سنتِ رسول اللہ ﷺ۔ جہاں قرآن وسنّت کا حکم ہوگا وہاں ان کے مخالف قول یا فعلِ صحابی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ کے اقوال وافعال قرآن وسنّت کے برابر نہیں، ان کے بعد ضرور ہیں۔ جہاں کتاب وسنّت خاموش ہوں اور صحابی کا کوئی فتویٰ یا منفرد قول پایا جائے تو کسی مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کرنے میں اسے لے لینا چاہیے۔ قرآن وسنّت کے برعکس قولِ صحابی پر عمل نہ کرنے والا گناہ گار نہیں ہے لیکن اس بات کا احتمال ہے کہ وہ قولِ صحابی سنّتِ نبوی ہو۔ اس لیے قولِ صحابی پر عمل ایک محتاط طرزِ عمل ہے۔

قرآن اور احادیث میں صحابہ کرامؓ کی جو توصیف وشان بیان ہوئی ہے اس کی روشنی میں آثارِ صحابہؓ کو دینی امور میں یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ انہیں بیک جنبشِ قلم غیر اہم قرار دے کر ترک کر دینا اس توصیف وتعریف کی توہین ہے جو صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآن وسنّت میں بیان ہوئی ہے۔ اس توصیف کے بیان کا مقصد بعد والوں کو محض معلومات کی فراہمی نہیں ہے۔ اگر صحابہ کرامؓ کے اقوال وفتاویٰ بھی غیر صحابی کی طرح محض اجتہادی رائے اور ان کی ذات تک محدود ہیں تو پھر امت کو ان کی توصیف وفضیلت بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کتاب وسنّت نے صحابہ کرامؓ کو جو اہمیت دی ہے وہ بعد والوں کے لیے قیامت تک ہے۔ ان کے لیے صحابہ کرامؓ جسمانی اعتبار سے اہم نہیں ہو سکتے، یہ ان کے صرف آثار ہی ہیں جن کو اہمیت دی جائے گی۔

قولِ صحابی کے بارے میں یہ مطلق طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ وہ حجت ہے یا وہ حجت نہیں ہے، بلکہ اس کے کئی پہلو اور جہتیں ہیں۔ بعض جہتوں سے وہ حجت قرار دیا جانا چاہیے اور بعض پہلوؤں سے وہ حجت نہیں بن سکتا۔ اس کے تمام پہلوؤں پر ایک حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

اگر صحابی کا منفرد قول مخالفِ قیاس ہے تو اسے اس بات پر محمول کرنا چاہیے کہ یہ صحابی کی ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ اس نے ضرور اسے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہوگا۔ صحابہؓ کے بارے میں یہ گمان کرنا ان کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی شرعی حکم کی دریافت میں قیاس سے کام لینا نہ جانتے تھے، اس لیے خلافِ قیاس فتویٰ دے دیا۔ مخالف ِقیاس قول کو سماع پر محمول کرنا راجح ہے۔ احکامِ شریعت کا لازماً عقل وقیاس کے مطابق وتابع ہونا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح وہ قول جس میں رائے اور اجتہاد کا دخل نہ ہو مثلاً مقداروں وغیرہ کے بارے میں قول، اسے بھی سماع پر محمول کرنا اور مرفوع شمار کیا جانا چاہیے۔ غیر اجتہادی مسائل میں بلا سماع فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ جب کسی مسئلہ سے

متعلق یہ طے کرلیا جائے کہ وہ غیر اجتہادی ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں قول بھی صحابی کی ذاتی رائے نہیں ہے، صحابی نے اسے ضرور نبی اکرم ﷺ سے سنا ہوگا۔ صحابہؓ کی شانِ علمیت کے منافی ہے کہ وہ غیر اجتہادی امور میں رائے وقیاس سے کام لیں۔ جب کہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ وہ اجتہادی امور میں بھی ذاتی رائے کے استعمال میں بے حد محتاط تھے۔

خلفائے راشدینؓ کا اتفاق حجت تسلیم کرنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان: **علیکم بسنّتي و سنّة الخلفاء الراشد ین المهد یین** میں اپنی سنّت کے ساتھ خلفائے راشدینؓ کی سنّت کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ چاروں خلفاء رُشد وہدایت یافتہ تھے۔ ظاہر میں رسول اکرم ﷺ کی سنّت سے جو مراد ہے وہی خلفائے راشدین کی سنّت سے مراد ہے۔ اس حدیث میں جتنا زور سنّتِ نبوی سے تمسک پر دیا گیا ہے اتنی ہی تاکید سنّتِ خلفائے راشدین کے بارے میں کی گئی ہے۔

اگر قولِ صحابی کی کسی صحابی نے مخالفت نہیں کی تو وہ قول حجت مانا جانا چاہیے۔ ایسے قول کی عدم مخالفت اس کے صحیح و درست ہونے پر دلیل ہے۔ اگر اس قول میں کوئی نقص ہوتا تو صحابہؓ ضرور اس پر اعتراض اور اس کی مخالفت کرتے۔

اگر قولِ صحابی ایسا ہے جس میں عقل ورائے کا دخل ہو اور اس قول کے مخالف کسی دوسرے صحابی کا قول بھی پایا جاتا ہو تو ایسا قول حجت معلوم نہیں ہوتا۔ کوئی صحابی اپنی ذاتی رائے اور اجتہاد میں معصوم عن الخطا نہیں ہے۔ جس میں خطا کا احتمال ہو وہ حجت نہیں ہے۔ خطا سے معصوم صرف قرآنی، نبوی اور اجماعی احکام ہیں۔ مقامِ صحابیت بجا مگر صحابی ہونے سے اس کی ذاتی ومنفرد رائے حجت نہیں بن سکتی۔

اگر کسی مسئلہ کا شرعی حکم کتاب وسنّت سے نہ ملے اور اس بارے میں صحابی کا فتویٰ موجود ہو جس سے اختلاف کی ضرورت بھی نہ ہو، تو پھر صحابی کا فتویٰ، ذاتی رائے اور اجتہاد سے بہتر ہے۔ دینی امور میں صحابی کی رائے ہماری رائے سے یقیناً زیادہ صائب ہے۔ ذاتی رائے کے بجائے قولِ صحابی اختیار کرنے سے حکم کی ذمہ داری ہم پر نہیں آئے گی۔ یہی محتاط طرزِ عمل ہے۔ صحابہ کرامؓ کے اجتہادی اقوال اگرچہ حجت نہیں ہیں لیکن قرآن وسنّت کے بعد ذاتی رائے کے مقابلہ میں اقوالِ صحابہؓ پر انحصار کرنا بہتر اور محتاط رویہ ہے۔

حواشی

۱۔ جصاص، ابوبکر احمد بن علی رازی حنفی، اصول الجصاص، (المسمیٰ الفصول فی الأصول)، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان، ۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰ء، ج ۲، ص ۱۷۲

۲۔ سمرقندی، علاء الدین ابوبکر محمد بن احمد حنفی، میزان الأصول فی نتائج العقول، مکتبہ دار التراث، قاہرہ، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء، ص ۴۸۱

۳۔ اصول الجصاص، ج ۲، ص ۱۷۲-۱۷۳

۴۔ سرخسی، ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل حنفی، المحرر فی اصول الفقه، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء، ج ۲، ص ۸۵

۵۔ عبدالعزیز بخاری، علاء الدین بن احمد حنفی، کشف الأسرار عن اصول فخر الإسلام البزدوی، دار الکتبالعلمیة، بیروت لبنان، طبع اوّل ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء، ج ۳، ص ۳۲۵

۶۔ دار قطنی، علی بن عمر، سنن الدار قطنی دار المحاسن للطباعة، قاهرة ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء، باب المهر، ج ۳، ص ۲۴۵

۷۔ ایضاً، باب المهر، ج ۳، ص ۳۲۲

۸۔ ایضاً، کتاب الحیض، ج ۱، ص ۲۰۹

۹۔ امام، سرخسی، المحرر فی اصول الفقه، دار الکتب العلمیة، ج ۲، ص ۸۵، عبدالعزیز بخاری، کشف الأسرار، ج ۳، ص ۳۲۵

۱۰۔ ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد قرطبی، الإنتقاء فی فضائل الثلاثة الأئمة الفقهاء مالک و الشافعی و ابی حنیفة و ذکر عیون من اخبارهم و اخبار اصحابهم للتعریف بجلالة اقدارهم، ص ۱۴۳

۱۱۔ ذہبی، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان قایماز، سِیَر اعلام النُّبَلا ء، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء، ج ۶، ص ۴۰۱

۱۲۔ شعرانی، عبدالوہاب بن احمد بن علی شافعی، المیزان الکبریٰ طبع اوّل، س، ن، ج ۱، ص ۶۵

۱۳۔ صالحی، محمد بن یوسف دمشقی شافعی، عقود الجمان فی مناقب الإمام الأعظم أبی حنیفة النعمان، مطبعة المعارف الشرقیة، حیدرآباد، الہند، ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء، ص ۱۷۴

۱۴۔ شاطبی،ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ مالکی،الموافقات فی اصول الشریعة،المکتبة التجاریة الکبریٰ مصر ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء، ج۴ص۷۹

۱۵۔ امام شاطبی،الموافقات، ج۴،ص۷۴

۱۶۔ امام شاطبی،الموافقات،(حاشیہ)،ج۴،ص۷۴

۱۷۔ نووی،محی الدین یحیٰی بن شرف شافعی،المجموع شرح المھذب لأبی اسحاق شیرازی، دارالفکر ،بیروت،لبنان،ج۱۹،ص۱۳۰

۱۸۔ ابن قیّم،شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن ابی بکرالجوزیہ دمشقی حنبلی،اعلام المؤقعین عن رب العالمین، دارالجیل للنشر و التوزیع و الطباعة، بیروت لبنان،سال اشاعت ندارد،ج۱،ص۲۹

۱۹۔ شیرازی،ابواسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف فیروزآبادی شافعی،التبصرة فی أصول الفقه،دار الفکر، دمشق ، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء،ص۳۹۵، شیرازی، اللمع فی أصول الفقه، دارالکتب العلمیة، بیروت لبنان،۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء، ص۹۵

۲۰۔ شافعی،محمد بن ادریس،امام،الرسالة، المکتبة العلمیة، بیروت لبنان،ص۵۹۸

۲۱۔ بیہقی،ابوبکراحمد بن الحسین، مناقب الشافعی، دا رالتراث،قاھرة،۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء،ج ۱،ص۴۴۳

۲۲۔ امام،بیہقی،معرفة السنن و الآثار،جامعة الد راسات الإسلامیة ،کراچی پاکستان،۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء،ج ۱،ص۱۸۴

۲۳۔ امام شاطبی،الموافقات، ج۴،ص۷۸

۲۴۔ زرکشی، بدرالدین محمد بن بہادر بن عبداللہ شافعی،البحر المحیط فی اصول الفقه، وزارةالأوقاف والشؤن الإسلامیة کویت، طبع دوم،۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲،ج۶،ص۶۳

۲۵۔ ترمذی،ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ،سنن ،ترمذی کتاب المناقب، (مناقب معاذ بن جبلؓ)،داراحیاء التراث الإسلامی، بیروت لبنان، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء، ج۱۳،ص۲۰۲

۲۶۔ غزالی،ابوحامد محمد بن محمد بن محمد شافعی،المنخول من تعلیقات الأصول، دارالفکر دمشق ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ءص ۴۷۸

۲۷۔ شیرازی،التبصرة فی اصول الفقه،ص۳۹۹

۲۸۔ ابویعلیٰ،محمد بن الحسین الفرّاء بغدادی حنبلی،العدة فی أصول الفقه، المملکة العربیة السعودیة ریاض، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء، ج۴،ص۱۱۸۶،ابن اللحّام ،ابوالحسن علی بن محمد بن علی دمشقی حنبلی، المختصر فی أصول الفقه علی مذھب الإمام احمد بن حنبل، مرکز البحث العلمی و احیاء التراث

الاسلامی، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء،ص۱۶۱، ابن النجار،محمد بن احمد بن عبدالعزیز حنبلی، شرح الکوکب المنیر ، مرکز البحث العلمی و احیاء التراث الإسلامی،ج۴،ص۴۲۲

۲۹۔ امام ابن قیم،اعلام المؤقعین، ج۳،ص۵۷

۳۰۔ ابوزہرہ، ابن حنبل. حیاته و عصره، آراؤه و فقهه،دارالفکر العربی،س،ن،ص۲۵۲

۳۱۔ ابن اللحام المختصر فی اصول الفقه علی مذ هب الإمام احمد بن حنبل،ص۱۶۱، شرح الکوکب المنیر، ج۴،ص۴۲۴

۳۲۔ نملہ،عبدالکریم بن علی بن محمد حنبلی،اتحاف ذوی البصائر بشرح روضة الناظر فی أصول الفقه علی مذهب الإمام احمد بن حنبل، مکتبة الرشد،الریاض،طبع اوّل،۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء،ج۳،ص۱۳۹۹

۳۳۔ ابن قیّم،شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر الجوزیہ دمشقی حنبلی،اعلام المؤقعین عن رب العالمین، دارالجیل للنشر و التوزیع و الطباعة، بیروت لبنان،سال اشاعت ندارد،ج۱،ص۲۹

۳۴۔ ابن حزم،ابومحمد علی بن احمد بن سعید اندلسی ظاہری، الإحکام فی اصول الأحکام ، السنّة ادارة الترجمة و التالیف ،فیصل آباد پاکستان،۱۴۰۴ھ،ج۶،ص۵۴،۳۸۵،التبصرة فی اصول الفقه،ص۳۹۵، بصری، ابوالحسین محمد بن علی الطیّب معتزلی، المعتمد فی أصول الفقه، دارالکتب العلمیة، بیروت لبنان، ۱۴۰۳ھ،ج۲،ص۱۷۴

۳۵۔ آلِ عمران: ۱۱۰

۳۶۔ البقرة :۱۴۳

۳۷۔ النسآء: ۵۹

۳۸۔ ابن عبدالبر،ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن سلام مالکی،جامع بیان العلم و فضله ، دار ابن الجوزی، المملکة العربیة السعودیة، طبع اوّل۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء ج۲،ص۹۲۵

۳۹۔ ابوداؤد،سلیمان بن الاشعث سجستانی ازدی، سنن ابی د اؤد،دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان، طبع اوّل۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۶ء، کتاب السنة، باب لزوم السنة،ج۳،ص۲۰۶

۴۰۔ بخاری،ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل،الجامع الصحیح البخاری، قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی، ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱، کتاب المناقب، باب فضائل اصحاب،ج۱،ص۵۱۵

۴۱۔ ہندی،علاءالدین علی المتقی بن حسّام الدین برہان پوری، کنز العمال فی سنن الأقوال و الأفعال، مؤسسة

الرسالة، بیروت، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء، ج۱۲،ص۴۸۵،حدیث نمبر۳۵۵۹۰

۴۲۔ جامع بیان العلم و فضلہ، ج ۲،ص۹۴۷،الموافقات فی اصول الشریعة، ج ۴،ص۷۸،۷۹

۴۳۔ جامع بیان العلم وفضلہ ، ج۲،ص۸۴۹

۴۴۔ امام شاطبی،الموافقات فی اصول الشریعة،ج۴،ص۷۹

۴۵۔ ابن قیم،اعلام المؤقعین،ج۴،ص۱۵۱

۴۶۔ ابن قیم،اعلام المؤقعین،ج۴،ص۱۵۲

۴۷۔ ابن قیم،اعلام المؤقعین،ج۴،۱۴۸

۴۸۔ الحشر: ۲

۴۹۔ النساء: ۵۹

۵۰۔ آل عمران:۱۱۰

۵۱۔ مالک بن انس،الموطا، دار الحدیث ،شارع جوھر القائد امام جامعة الأزھر، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء، کتاب القدر، باب النھی عن القول فی القدر، ص۶۸۶

۵۲۔ احمد بن حنبل،مسند احمد بن حنبل، المکتب الإسلامی، بیروت،۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء، ج۳،ص۲۶

۵۳۔ امام ابن حزم نے یہ حدیث سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ ملاحظہ ہو،ابن حزم،الإحکام فی اصول الأحکام ج۶،ص۸۲

۵۴۔ ابن حزم،الإحکام فی اصول الأحکام، ج۶،ص۸۱،۸۳، تلخیص الحبیر ج۴،ص۱۹۰-۱۹۱، جامع بیان العلم و فضلہ، ج۲،ص۹۲۵،صنعانی،محمد بن اسماعیل الأمیر الحسنی،توضیح الأفکار لمعانی تنقیح الأنظار، داراحیاء التراث العربی، طبع اوّل ۱۳۶۶ھ،ج۱،ص۲۶۴،اتحاف ذوی البصائر، ج۳،ص۱۳۴۷، اعلام المؤقعین، ج۲،ص۲۴۲،شوکانی،محمد بن علی بن محمد،ارشاد الفحول إلی تحقیق علم الأصول،دارالفکر، بیروت لبنان،طبع اوّل۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء، ص۴۰۶،لکھنوی،محمد عبدالحی ہندی، تحفة الأخیار بإحیاء سنّة سیّد الأبرار، مکتب المطبوعات الإسلامیة، دارالقلم دمشق،۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء،ص۵۳

۵۵۔ آمدی،الإحکام فی اصول الأحکام، ج۴،ص ۳۸۶، سبکی،شیخ الإسلام علی بن عبدالکافی شافعی،الإبھاج فی شرح المنھاج علی منھاج الوصول علی علم الأصول للبیضاوی، دارالکتب العلمیة، بیروت لبنان،طبع اوّل۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء ، ج۳،ص۱۹۴،سمعانی،ابوالمظفر منظور بن محمد بن عبدالجبار شافعی،قواطع الادلّة فی الأصول، دارالکتب العلمیة، بیروت لبنان،طبع اوّل۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء، ج۲،ص۳۴۳

۵۶۔ امام نسائی، سنن النسائی، کتاب آداب القضاۃ، باب الحکم باتفاق اھل العلم، ج۸،ص۶۲۳

۵۷۔ قواطع الأدلّة ، ج۲،ص۳۴۳

۵۸۔ ابن برہان، احمد بن علی بغدادی شافعی، الوصول إلی الأصول ، مکتبة المعارف، ریاض ، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء، ج۴،ص۳۳۷

۵۹۔ امام جصاص، اصول الجصاص ، ج۲،ص۱۷۴

۶۰۔ ابن حزم ، الإحکام فی اصول الأحکام، ج۶،ص۱۲۷

۶۱۔ امام جصاص، اصول الجصاص ، ج۲،ص۱۷۴

۶۲۔ امام ابوداوٗد، سنن ابی داؤد. کتاب ا لنکاح، باب فیمن تزوج ولم یُسم صداقا حتی مات، ج۲،ص۱۰۳

۶۳۔ امام ابن قیم، اعلام المؤقعین، ج۱،ص۵۹

۶۴۔ آل عمران:۱۱۰

۶۵۔ النساء: ۸۲

۶۶۔ الأنفال: ۴۶

۶۷۔ ابن حزم، الإحکام فی اصول الأحکام، ج۶،ص۸۳